ضیاء الدین لاہوری

سرسید کے شیدائی مصنفین میں تحریف کا شوق

ہمارے بعض قلم کار جب مطالعے کے بغیر انشاء پرداز یا محقق بننے کی کوشش کرتے ہیں تو ان کی تحریروں میں تضاد کا عنصر جنم لیتا ہے۔ انہیں خود بھی اس کا احساس ہوتا ہے اس لئے وہ قاری کے متوقع تاثر کو زائل کرنے کے لئے اوٹ پٹانگ توجیہات سے کام چلانے کی کوشش کرتے ہیں اس طرح اندھوں میں کانا راجہ کے مصداق وہ حقائق سے ناواقف قارئین کی آنکھوں میں دھول جھونک کر انہیں اپنا ہم خیال تو بنا لیتے ہیں مگر اپنے طرز عمل سے قوم میں غیر حقیقی رویے پیدا کرنے کی قباحت کو تقویت بخشتے ہیں۔ ایک طبقہ وہ ہے جس کا تھوڑا بہت مطالعہ تو ہوتا ہے مگر اس کی سوچ اور فکر محدود ہوتی ہے جب اسے مصنف بننے کا شوق چراتا ہے تو وہ اس تضاد کو دور کرنے کے لئے حقائق کو بدلنے کی کوشش کرتا ہے واقعات کے برعکس انداز میں بیان کرتا ہے۔ حوالوں کی تحریروں میں تحریف کرتا ہے اور اس طرح قوم کو بد دیانتی کا درس دیتا ہے یہ کام چھوٹے موٹے قلم کار ہی نہیں کرتے بلکہ نامور مصنفین کی تحریروں میں بھی عنصر پایا جاتا ہے۔ اور جب انہیں اس تضاد یا تحریف کی نشان دہی کی جاتی ہے تو اس طبقے کے لوگ بھڑوں کے چھتے کی مانند ایسا کرنے والوں کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔

سرسید احمد خان ان شخصیات میں سے ہیں جو انتقال کے بعد اپنے ہی پرستاروں کا تختہ مشق بن گئے۔ انہیں کیا پتہ تھا کہ ان کے شیدائی ان کے ساتھ ایسا مذاق کریں گے کہ انہوں نے زندگی بھر ایک خاص نصب العین اپنائے رکھا۔ اس کے بیان میں وہ ان کی حقیقی تصویر کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیں گے۔ سرسید کے افکار و نظریات ہمیں پسند ہوں یا نہ ہوں لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ ان پر نہایت خلوص کے ساتھ کاربند رہے۔ ہر شخص کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے نظریے کے مطابق ان کے افعال و کردار سے اتفاق یا اختلاف کرے۔ ان کے کاموں کو اچھا یا برا سمجھنا افراد کا اپنا معاملہ ہے۔ لیکن بہر حال تسلیم کرنا پڑے گا کہ انہوں نے جو کچھ کہا اس کا اعتراف کبھی مجالس میں برسر عام کیا اور اس پر فخر کا اظہار کیا۔ اس معاملے میں ان کی تحریریں تاریخی ریکارڈ کا درجہ رکھتی ہیں۔ اس کے برعکس ان کے شیدائی اپنے ممدوح کی بیان کردہ مستند روایات پر حسب منشاء رنگ چڑھا کر حقائق کو مسخ کرتے ہیں اور نیا ریکارڈ ترتیب دیتے ہیں۔

ہمارے ملک کی ایک محترم خاتون اہل قلم سیدہ فاطمہ بریلوی کی کتاب "۵۷ کے ہیرو" میں حضرت محل، جنرل بخت خان اور جنرل محمود خان کے حالات تحریر کیئے گئے ہیں۔ محترمہ مصنفہ نے مؤخرالذکر شخصیت کے ذکر میں سرسید احمد خان کی تصنیف "سرکشی ضلع بجنور" کو تمام تذکرہ نگاروں کا ماخذ بتایا ہے۔ خود انہوں نے متعدد مقامات پر اس کتاب کے حوالے دیے ہیں مگر نہایت تعجب کی بات ہے کہ جس کتاب کا مقدمہ معروف مصنف پروفیسر رشید احمد صدیقی سے لکھوایا گیا ہو اور انہوں نے اس کے مضامین کی تحسین کی ہو اس میں سرسید جیسی نامور شخصیت کی تصنیف سے حوالوں کی تحریروں میں کھلی تحریف موجود ہو۔ حوالے کی تحریریں باریک قلم کے ساتھ

کتابت کی گئی ہیں۔ اور انہیں سکیرٹ کر اگک بیروں کی صورت میں بھی دی گئی ہے۔ اس انداز سے یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ حوالوں کے الفاظ اصل ماخذ سے ہو بہو نقل کئے گئے ہیں۔ مگر یہاں اکثر تحریریں اپنے الفاظ میں بیان کی گئی ہیں جس سے کئی ایک میں اصل مفہوم سے بالکل متضاد تاثر پیدا ہوتا ہے۔ ایسے حوالوں کے ساتھ اکثر صفحات نمبر نہیں بتائے گئے۔ جس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ اس کا مقصد قاری کو تصدیق کے لئے اصل حوالے سے دور رکھنا۔ یا پھر یہ تمام کارروائی سرسید کی شخصیت کو تنقید سے بچانے کے لئے کی گئی ہو۔ چند نکات درج ذیل ہیں۔

سرسید کی خفیہ خط و کتابت:

کتاب میں سرسید کی ایک تحریر کے الفاظ اس طرح نقل کئے گئے ہیں:

"در حقیقت خفیہ خط و کتابت جان کرافٹ ولسن بہادر سے تھی" (ص ۱۲۵) سرکشی ضلع بجنور سے نقل کئے گئے اس فقرے میں ایک خاص مقصد کے تحت صیغہ متکلم کا لفظ "ہماری" حذف کر دیا گیا ہے جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ سرسید کے ایک ساتھی ڈپٹی رحمت خان، جسے مصنفہ نے چند سطور قبل" انگریزوں کے پٹھو" کا لقب دیا۔ اس کی انگریزوں سے خفیہ خط و کتاب تھی۔ اگر اصل فقرہ مکمل ہو تو وہ اس وقت تک بے معنی معلوم ہوتا ہے جب تک کہ اس کا پس منظر نہ بیان کیا جائے۔ اتفاق سے اس فقرے سے قبل کی چند مسلسل سطور سرسید ہی کی زبانی اس کی وضاحت بیان کر رہی ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے:

منیر خان جہادی نے بجنور میں بہت غلغلہ مچایا اور محمد صدر امین اور رحمت خان صاحب ڈپٹی کلکٹر اور میر سید تراب علی تحصیل دار بجنور پر یہ الزام لگایا کہ اپنوں سے سازش اور خط و کتابت رکھتے ہیں اس لئے ان کا قتل واجب ہے اور در حقیقت ہماری خفیہ خط و کتابت جناب مسٹر جان کری کرافٹ ولسن صاحب بہادر سے جاری تھی۔ ص ۳۷

اس عبارت میں سرسید نے اپنے ہمراہ دو ساتھیوں کا ذکر کرتے ہوئے اپنی خفیہ خط و کتابت کا اعتراف کیا ہے مگر ستم کی انتہا دیکھیئے کہ "لاتقربو الصلوۃ" کی مانند فقروں کا ایک حصہ پیش کرنے اور اس میں سے بھی لفظ "ہماری" کو غائب کر دینے سے مفہوم کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا گیا۔

انگریزوں کے پٹھو:

محترمہ مصنفہ نے ڈپٹی رحمت خان کو انگریزوں کا پٹھو تو قرار دیا مگر ان کے رفیق اعلی سرسید کا ذکر گول کر گئیں۔ ضلع بجنور کے مجسٹریٹ کلکٹر کی رپورٹ نمبر ۵۶ مورخہ ۵ جون ۱۸۵۸ء متذکرہ بالا تینوں اصحاب کے ذکر پر مبنی ہے اس کی دفعہ ۱۵ کا متعلقہ اقتباس حقیقت حال کی یوں وضاحت کرتا ہے:۔

"ان تینوں صاحب نے سرکار کی بہت خیر خواہی کی۔ اگر ہم ان میں سے کسی کی زیادہ تر توصیف کریں تو نسبت سید احمد خان کی ہی کر سکتے ہیں۔ کس واسطے کہ یہ صاحب بہت دانا ہیں ان کی خیر خواہی ایسی جاں فشانی سے ہوئی کہ اس سے زیادہ ہرگز ممکن نہیں۔ (لائل محمڈنز آف انڈیا، حصہ اول ص ۲۵)

مسلمانوں کو مروانے والے سرسید:

بجنور کے ہندو چودھریوں کی مسلم کشی کا ذکر کرتے ہوئے محترمہ سرسید کی ایک تحریر اس طرح درج کرتی ہے۔

"چاند پور میں اس سے زیادہ مصیبت دیکھنی تھی۔ جب وہاں پہنچے اور مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ تو صدھا آدمی گنڈاسہ، تلوار، بندوقیں لے کر چڑھ آئے اور سب بلوائی پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ چودھریوں نے سازش کر کے مسلمانوں کو مروا دیا۔ مسلمانوں کو ذبح کرایا، ہم زندہ نہ چھوڑیں گے۔ (ص ۱۲۷)

اس عبارت میں بھی صیغہ متکلم کے الفاظ حذف کر کے مفہوم کو الٹ دیا گیا ہے اس کے علاوہ سرسید کی اصل عبارت میں لفظ چودھریوں کے بعد "سے" تحریر ہے جسے "نے" میں بدل دیا گیا ہے جس سے یہ تاثر دیا گیا ہے کہ یہ سب کچھ ہندو چودھریوں کے ساتھ ہوا کیونکہ انہوں نے سازش کر کے مسلمانوں کو مروا دیا حالانکہ یہ ساری کیفیت سرسید نے اپنے متعلق تحریر کی ہے۔ دراصل متذکرہ بالا عبارت سرسید کی کتاب کے دو مختلف صفحات سے چند فقرے منتخب کر کے مختصر طور پر ملتے جلتے انداز میں تشکیل دی گئی ہے۔ تفصیلات میں پڑے بغیر صرف انہی فقرات کی اصل عبارت درج کی جاتی ہے جس سے اصل مفہوم واضح ہوتا ہے سرسید لکھتے ہیں۔ "چاند پور میں اس سے زیادہ مصیبت ہماری قسمت میں لکھی تھی کہ جب ہم قریب دروازہ چاند پور کے پہنچے اور بدمعاشان مسلمانان چاند پور کو ہمارے آنے کی خبر ہوئی، دفعتاً محلہ بتیا پارہ میں ڈھول ہوا اور صدھا آدمی تلوار اور گنڈاسہ اور طمانچہ اور بندوق لے کر ہم پر چڑھ آئے۔۔۔۔ سب بلوائی پکار پکار کر کہتے تھے کہ چودھریوں سے سازش کر کے نگینہ میں مسلمانوں کو مروا دیا اور لوگوں کی جورو بیٹی کی بے عزتی کروائی اور ہلاور میں اپنے سامنے مسلمانوں کو ذبح کروا دیا، اب ہم زندہ نہ چھوڑیں گے۔ (ص ۱۰۴، ۱۰۶)

محترمہ مصنفہ سرکشی ضلع بجنور کے حوالے سے تحریر کرتی ہیں کہ سرسید لکھتے ہیں لوگوں کو عبرت ناک سبق دینے کے لئے نجیب آباد میں بھی اپنے مظالم کا اعادہ کیا گیا جو بقیہ ہندوستان پر توڑے جا رہے تھے۔ ۱۹ اپریل ۱۸۵۸ء کو محمود خان کے چھوٹے بھائی جلال الدین خان اور سعد اللہ خان کو نور پور میں پھانسی دی گئی اور ان کا دیوان خانہ بارود سے اڑا دیا گیا۔

اس عبارت کا دوسرا حصہ تو اصل کتاب کے ص ۱۳۶ سے اخذ کر کے اپنے الفاظ میں تحریر کیا گیا ہے مگر حصہ اول کو سرسید سے غلط طور پر منسوب کر دیا گیا ہے۔ سرسید کی ہزارہا صفحات پر پھیلی ہوئی زندگی بھر کی تحریروں میں یہ فقرہ موجود نہیں اور نہ ان کی کسی تحریر سے اس قسم کا مفہوم برآمد ہوتا ہے۔ یہ بات اس لئے وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ وہ ان خیالات کے حامل ہی نہیں تھے بلکہ اس کے برعکس ہمیشہ باغیوں کو ظالم قرار دیتے رہے انہوں نے مصنفہ کے ممدوح جنرل محمود خان تک کو اس کتاب میں ظالم تحریر کیا۔ (ص ۶۱)

محمود خان سے تعلقات

یہ تو تھیں تحریف کی باتیں۔ ایک صاحب علم جب محترمہ کے متذکرہ مضمون کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ انہیں سرسید کی تصنیف سرکشی ضلع بجنور دیکھنے کی بھی سعادت نصیب نہیں ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے متذکرہ بالا حوالے غالباً سرسید کے کسی اور شیدائی کی کتاب یا تصنیف سے لے کر نقل کروائے۔ اگر انہوں نے اصل کتابوں کا مطالعہ کیا ہوتا تو ممکن ہی نہ تھا کہ وہ حقائق کے برخلاف واقعات بیان کرتیں۔ مثال کے طور پر وہ تحریر کرتی ہیں۔

"خود سرسید بھی ہوا کا رخ پلٹتے ہی جنرل صاحب کے موافقین میں شامل ہو کر ان کی خیر خواہی کا دم بھرنے لگے۔
(ص ۱۲۱، طبع ۱۹۵۶ء)

حالانکہ سرسید نے اپنی کتاب میں محمود خان کے ساتھ اپنے تعلقات پر تفصیل سے بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ انہوں نے کس طرح اس کے ساتھ عملی طور پر مکمل عدم تعاون کیا جس سے وہ سخت ناراض ہوا۔ سرسید مصنفہ محترمہ کے ممدوح جنرل محمود خان کا ذکر جا بجا نفرت کے جذبات کے تحت " نا محمود خان " کے الفاظ سے کرتے ہیں اور اس کے ساتھ اپنے عدم تعاون کی تفصیل اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"میں نے اور سید تراب علی تحصیل دار اور پنڈت رادھا کشن ڈپٹی انسپکٹر نے باہم مشورہ کیا اور آپس کی ایک کمیٹی بنائی اور یہ تجویز کی کہ ہم میں سے کوئی شخص کوئی کام نہ کرے جب تک کہ باہم کمیٹی کے اس کی اصلاح نہ ہو۔ چنانچہ اسی وقت کام کرنے کے بارے میں یہ رائے ٹھہری کہ میر سید تراب علی تحصیل دار بجنور جو ضروری حکم نواب (محمود خان) کا پہنچے اس کو لاچار تعمیل کریں اور باقی احکام سب ملتوی پڑے رہنے دیں اور باقی مال گزاری بجز اس قدر روپیہ کے جس سے تنخواہ عملہ تحصیل و تھانہ تقسیم ہو جائے اور کچھ وصول نہ کریں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور بخشی رام تحویل دار کی معرفت کہ وہ بھی خیر خواہ سرکار اور ہم راز تھا۔ جو کال گزار آیا اس کی فہمائش کی گئی کہ روپیہ مت دے۔ اس تساہل تحصیل سے نواب ناراض ہوا اور احکام سخت بھیجنے لگا اور کلمات نا ملائم پروانہ جات میں تحریر ہونے لگے۔ اور نسبت اجرائے کار دیوانی یہ رائے ٹھہری کہ جب تک ہو سکے میں صدر امین بموجب آئین سرکار دولت مدار انگریزی کام کرتا ہوں اور کسی طرح کا تعلق نواب سے اس کا کام نہ رکھوں۔ چنانچہ مجھ صدر امین نے ایسا ہی کیا اور جو روبکاریاں اور رپورٹیں قابل ارسال بحضور جناب صاحب جج بہادر تھیں ان میں علی الاعلان کچہری میں بھی حکم تحریر ہوتا رہا کہ بحضور جناب صاحب جج بہادر بھیجی جائیں اس میں فائدہ یہ تھا کہ عوام یہ سمجھتے تھے کہ حکام انگریزی کا تسلط بدستور ہے۔ البتہ نواب کو یہ امر بہت ناگوار تھا اور ایسی باتوں سے اس کی دشمنی ہمارے ساتھ زیادہ ہوتی جاتی تھی مگر ہم کو توقع تھی کہ ہمارے حکام بہت جلد پھر ضلع میں تشریف لاتے ہیں (ص ۳۲) پھر محمود خان نے سرسید کو بلا کر لالچ سے رام کرنے کی کوشش کی مگر سرسید نے صاف الفاظ میں اس کے ساتھ تعاون سے انکار کر دیا۔ اس موقع کا ذکر کرتے ہوئے سرسید لکھتے ہیں۔

"نا محمود خان نے رات کے وقت مجھ صدر امین کو اپنے پاس بلایا اور نا محمود خان اور احمد اللہ خان نے تخلیہ میں مجھ سے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ تم ہمارے ساتھ شریک ہو جاؤ اور تم ہم سے ہمارے ساتھ شریک ہونے پر حلف کرو اور جو جاگیر چاہو نسلاً بعد نسل اب ہم سے ٹھہرا لو اور ہم سے حلف لو کہ ہم ہمیشہ وہ جاگیر بحال رکھیں گے اول تو مجھ کو بڑا ڈر اسیور ہوا کہ کیا جواب دوں۔ پھر میں نے اپنے دل کو اسی بات پر مستقیم کیا کہ سچی اور سیدھی بات کہنی ہر وقت اچھی ہوتی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ نواب صاحب میں اس بات پر حلف کر سکتا ہوں کہ میں ہر حال میں تمہارا خیر خواہ رہوں گا اور کسی وقت تمہاری بد خواہی نہ کروں گا۔ الا اگر تمہارا ارادہ ملک گیری اور انگریزوں سے لڑنے اور مقابلہ کرنے کا دعویٰ ہے تو میں تمہارے شریک نہیں ہوں۔ اور میں نے کہا گیا کہ خدا کی قسم نواب صاحب، میں صرف

تمہاری خیر خواہی سے کہتا ہوں کہ تم اس ارادہ کو دل سے نکال دو۔ حکام انگریزی کے سوا کوئی عمل داری ہندوستان میں نہ کر سکے گا۔ اور میں نے کہا کہ تم اطاعت سرکار اپنے ہاتھ سے مت دو اگر بالخصوص انگریز جاتے رہے، جیسا کہ تمہارا خیال ہے، تو تم نواب بنے بنائے ہو۔ تمہاری نوابی کوئی نہیں چھینتا اور اگر یہ خیال سچ نکلا تو تم خیر خواہ سرکار ہوگئے اور سرکار کی طرف سے تمہاری ترقی اور بہت قدر ہو گی اور اگر تم مجھ کو انتظام ملک میں شریک کیا چاہتے ہو تو جناب صاحب کلکٹر بہادر سے اجازت مانگ لو اور یہ اقرار کر لو کہ کوئی کام نہیں کرنے کے جب تک پہلے اس کی منظوری جناب صاحب کلکٹر بہادر سے حاصل نہ کر لیں۔ اگر نا محمود خان میں عقل ہوتی تو سمجھتا کہ یہ سب باتیں اس کی بھلائی کی تھیں مگر چونکہ جبلت اس کی بدی پر تھی، وہ ان باتوں سے ناراض ہوا اور چیں بہ جبیں ہو کر مجھ کو رخصت کر دیا اور ہر طرح ہماری دشمنی کے درپے ہو گیا اور جان لیا کہ یہ لوگ رفاقت سرکار انگریزی سے باز نہ آئیں گے۔ پھر ہم پر زیادہ تر زیادتی شروع کی۔ میرے خاص رہنے کے مکان کو بہ جبر مجھ سے چھین لیا اور اپنی فوج کے افسروں کو دے دیا۔ جو اسباب میرا اس میں بند تھا وہ سب فوج والوں نے لے لیا۔ سید تراب علی تحصیل دار کا گھوڑا بہ تعیناتی تیس سپاہیوں کے بہ جبر چھپا لیا اور ہر طرح سے درپے ہمارے آزار کے ہو گیا۔ ہم دن رات اس فکر میں تھے کہ کس طرح نواب کے پنجہ سے نکل جائیں مگر ممکن نہ تھا (ص ۳۴،۳۵) حالات یہاں تک مخدوش ہوئے کہ جب محمود خان نے ایک بار چودھریوں سے شکست کھانے کے بعد دوبارہ بجنور پر چڑھائی کی تو سرسید اس سے اپنی جان بچانے کے لئے وہاں سے بھاگے چاند پور کا واقعہ اسی فرار میں پیش آیا تھا۔

فون بستانِ عائشہ: 511356 فون مدرسہ: 511961

مدرسہ بستانِ عائشہ

طالبات کی دینی تعلیم و تربیت کی عظیم درسگاہ

میں دو نئی درسگاہیں زیر تعمیر ہیں اہلِ خیر سے التماس ہے کہ اس کارِ خیر کی تکمیل کے لئے فوری طور پر اپنے عطیات ارسال فرمائیں (جزاکم اللہ تعالیٰ)

ترسیل زر کے لئے:

بذریعہ منی آرڈر: سید عطاء المحسن بخاری، دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

بذریعہ بینک ڈرافٹ یا چیک: سید عطاء المحسن بخاری اکاؤنٹ نمبر 29932 حبیب بینک حسین آگاہی ملتان